رجسٹرڈ نمبر ایل 7360

جلد ۴ فروری ۱۹۶۱ء عدد ۲

ماہنامہ

میثاق

لاہور

★

زیرِ ادارت

امین احسن اصلاحی

دفتر رسالہ میثاق

رحمان پورہ اچھرہ - لاہور (پاکستان)

قیمت فی پرچہ : ساٹھ پیسے
سالانہ : چھ روپے (بارہ شلنگ)

Monthly MEESA[illegible] [illegible]ahore

ماہنامہ **میثاق** لاہور

| جلد ۴ | بابت ماہ فروری ۱۹۶۱ء مطابق شعبان المعظم ۱۳۸۰ھ | عدد ۲ |

فہرست مضامین

تذکرہ وتبصرہ ——— امین احسن اصلاحی ——— ۲

تدبر قرآن

تفسیر سورہ بقرہ ——— " ——— ۹

مطالعہ حدیث

سنت کا تحریری سرمایہ ——— مولانا عبدالغفار حسن صاحب ——— ۱۹

اجتماعیات وسیاسیات

اسلام کا شورائی نظام ——— مولانا سید جلال الدین صاحب انصر عمری ——— ۳۳

مراسلہ ومذاکرہ

تضاد یا غلط فہمی! ——— امین احسن اصلاحی ——— ۴۵

سفر حج

جدہ سے مکہ معظمہ ——— " ——— ۴۹

ہندوستانی خریداروں کیلیے ترسیل زر کا پتہ

دفتر "الفرقان" کچہری روڈ لکھنؤ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

تذکرہ و تبصرہ

میثاق کی پچھلی چند اشاعتوں میں اصلاح معاشرہ کی ضرورت و اہمیت پر جو کچھ لکھا گیا ہے اس سے بعض حضرات کو یہ شبہ ہوا ہے کہ ہم سارا زور صرف معاشرتی و مذہبی امور کی اصلاح پر صرف کرنا چاہتے ہیں۔ حکومت کی اصلاح کی ضرورت کے ہم قائل نہیں ہیں۔ جن لوگوں کو یہ شبہ پیش آیا ہے ہمارا خیال ہے کہ انھوں نے اس سلسلہ کے ہمارے سارے مضامین غور سے نہیں پڑھے ہیں۔ اگر انھوں نے ہمارے سارے مضامین غور سے پڑھے ہوتے تو انھیں یہ شبہ کبھی پیش نہ آتا۔ ہم یہ نہیں کہہ رہے ہیں کہ لوگ حکومت کے بناؤ بگاڑ سے بالکل ہی بے تعلق ہو کر صرف معاشرتی و اخلاقی حالات کی اصلاح کی جد و جہد تک اپنی کوششوں کو محدود کر دیں بلکہ ہمارا کہنا یہ ہے کہ اصلی اور بنیادی کام معاشرہ کی اصلاح ہے۔ حکومت کی اصلاح بھی پیش نظر ہے تو اس کا فطری راستہ یہی ہے کہ ملک کے عوام اور خاص طور پر ان کے ذہین طبقہ کی اصلاح کی جائے۔ معاشرہ کی اصلاح کے بغیر حکومت کی اصلاح کا کوئی جائز اور معقول راستہ ہے ہی نہیں۔

اگر حکومت کی اصلاح سے مراد یہ ہے کہ حکومت کی باگ صالح اور متقی لوگوں کے ہاتھ میں آجائے تو اس کا آئینی اور پُرامن راستہ یہی ہو سکتا ہے کہ اس ملک کے عوام کی اکثریت کے اندر اسلامی شعور اس حد تک بیدار ہو جائے کہ وہ اپنی باگ کسی قیمت پر بھی غیر صالح لوگوں کے ہاتھ میں پکڑانے پر راضی نہ ہوں۔ اس کے سوا کوئی دوسرا راستہ پُرامن اور آئینی نہیں ہے۔ اس کے سوا دوسرا راستہ اگر کوئی ہو سکتا ہے تو پھر وہ انقلاب کا

راستہ ہو سکتا ہے یعنی یہ کہ کچھ اچھے لوگ کسی چور دروازے سے ملک کی حکومت پر قبضہ کر لیں لیکن یہ صورت اس وقت اس بحث سے خارج از بحث ہے کیونکہ نہ تو یہ راستہ امن و سلامتی کا راستہ ہے اور نہ کوئی اس کو اختیار کرنے کا قائل ہے۔ جب یہ راستہ اختیار کرنا نہیں ہے تو پھر غور کیجئے کہ اس ملک کے معاشرہ کو اسلامی بنائے بغیر اس کی حکومت کے نیکوں کی طرف منتقل ہونے کی آخر کیا صورت ہے؟

ہمارے اس سوال کے جواب میں دو باتیں کہی جا سکتی ہیں لیکن یہ دونوں ہی باتیں اس قدر کمزور ہیں کہ کوئی معقول آدمی اس قسم کی کمزور باتوں کا سہارا نہیں لے سکتا۔

ایک بات تو یہ کہی جا سکتی ہے کہ پاکستان کا معاشرہ ایک بنا بنایا اسلامی معاشرہ ہے اس وجہ سے یہاں اس بات کے تمام امکانات موجود ہیں کہ اگر اہل دین کوشش کریں تو اقتدار ان کی طرف منتقل ہو سکتا ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ ایک گروہ کے اندر قیام پاکستان کے ساتھ ہی یہ غلط فہمی پیدا ہو گئی تھی کہ یہاں ایک بنا بنایا اسلامی معاشرہ موجود ہے۔ چنانچہ اسی مفروضہ پر اس نے انتقال اقتدار کی جدوجہد بھی شروع کر دی تھی لیکن یہ مفروضہ محض ایک مفروضہ ہے جس کو حقیقت سے کوئی دور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔ پاکستانی معاشرہ اس اعتبار سے تو اسلامی ضرور ہے کہ اس کی ترکیب میں غالب عنصر مسلمانوں کا ہے لیکن یہ اپنے ذہن اور اپنے کردار کے لحاظ سے ایک اسلامی معاشرہ کی خصوصیات سے کوسوں دور ہے۔ اس معاشرہ کے اندر جتنا حصہ عوام کا ہے وہ جذباتی طور پر اسلام سے ہمدردی ضرور رکھتا ہے لیکن اسے اسلام کا کوئی شعور نہیں ہے اس وجہ سے اس کو بڑی آسانی سے گمراہ کیا جا سکتا ہے اور یہ ایک ایسی واضح چیز ہے کہ اس کا تجربہ برسوں سے ہم کر رہے ہیں۔ رہا وہ طبقہ جو پڑھا لکھا ہے تو اس کے متعلق افسوس کے ساتھ یہ بات کہنی پڑتی ہے کہ اس کے اندر عظیم اکثریت ایسے لوگوں کی ہے جو اسلام سے اگر بدگمان نہیں تو اس کے متعلق شکوک و شبہات میں تو ضرور مبتلا ہے۔ صرف ایک اقل قلیل جماعت ایسے لوگوں کی ہے جو شعور کے ساتھ اسلام کو مانتی ہے۔ گنتی کے ان افراد کو سامنے رکھ کر یہ سمجھ لینا کہ یہ معاشرہ ایک اسلامی معاشرہ بن گیا ہے محض ایک طفلانہ خام خیالی ہوگی۔

دوسری بات یہ کہی جا سکتی ہے کہ انتخابات کی راہ سے حصول اقتدار کی جدوجہد ہی اسلامی معاشرہ بنانے کی

جدوجہد ہے۔ اس جدوجہد کے متعلق ہمارا نقطۂ نظر یہ ہے کہ اس کو انبیاء علیہم السلام کے طریقۂ کار سے کوئی دُور کی بھی نسبت نہیں ہے۔ ہمارے نزدیک الیکشن بازی کا مروجہ طریقہ شیطان کی ایجاد ہے جو صرف دنیا کے مفسدین ہی کے کام کا ہے۔ دوسرے لوگ اگر اس کو آزمائیں گے تو اگرچہ وہ فرشتوں کی سیرت رکھنے والے ہوں لیکن اس طریقہ کی برکت سے ان سے بھی شیطانوں ہی کے سے کام صادر ہوں گے۔ کوئی شخص ہماری اس بات کو مانے یا نہ مانے لیکن تجربہ گواہ ہے کہ ثقہ سے ثقہ لوگ بھی جب اس حمام میں داخل ہوئے ہیں تو آخر کار انھیں بھی اس کے تقاضوں سے مجبور ہو کر کپڑے اتارنے ہی پڑے ہیں۔

لیکن تھوڑی دیر کے لیے فرض کر لیجئے کہ الیکشن کے موجودہ طریقہ کو اگر اچھے لوگ اختیار کریں گے تو اس کو اس کی موجودہ بہت سی برائیوں سے پاک کر لیں گے لیکن یہاں سوال صرف انتخابات کے طریقہ کے جواز اور عدم جواز کا نہیں ہے، اصل سوال یہ ہے کہ اس راہ سے معاشرہ کو اسلامی بنانے میں کس طرح کامیابی ہوگی بالخصوص جب کہ اس کام میں طریق انبیاء کی پیروی بھی مدنظر ہو۔ ہمارے لیے یہاں اس طریقہ کی خصوصیات کی تفصیل میں جانے کا تو موقع نہیں ہے لیکن اس کے چند پہلوؤں کی طرف ہم اشارہ کریں گے تاکہ یہ واضح ہو سکے کہ جو لوگ اپنے پیش نظر ایک اسلامی معاشرہ کی تشکیل و تعمیر کا نصب العین رکھتے ہیں وہ اپنے مقصد کے انتہائی دشمن ہوں گے اگر وہ اس کے حصول کا ذریعہ انتخابات کے موجودہ طریقہ کو بنائیں گے۔

انبیاء کے طریقۂ کار کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ وہ جس کے پاس بھی جاتے ہیں ہر غرض سے بالاتر ہو کر صرف اس کی اصلاح و ہدایت کے مقصد کو لے کر جاتے ہیں۔ مخاطب کی ہدایت اور نجات کے سوا ان کے ذہن کے کسی گوشہ میں کوئی اور غرض چھپی ہوئی نہیں ہوتی اس وجہ سے ایک بدگمان سے بدگمان مخاطب بھی ان کی بات کو سنتا ہے تو اس بات کو مانے یا نہ مانے لیکن اس کا دل اندر سے اس بات کی شہادت ضرور دیتا ہے کہ جو اللہ کا بندہ اس کو دین و شریعت کی طرف بلا رہا ہے اس کا یہ بلانا بہرحال بے غرضانہ ہے۔ غور کیجیے کہ کسی شخص کے بارے میں یہ بے غرضی کا احساس اس کی دعوت کے لیے دلوں کو کتنا کھولنے والی چیز ہے۔ برعکس اس کے اگر ایک شخص لوگوں کے پاس یہ درخواست لے کر جاتا ہے کہ اے لوگو، تم مجھے اپنے ووٹ دو، میں تمہارے لیے اسمبلی یا کونسل یا پارلیمنٹ میں جا کر اقامت دین کرنا چاہتا ہوں تو اگرچہ یہ ووٹ مانگنے والا

شخص مخلص ہو، فی الواقع وہ اپنے تصور کے مطابق اقامت دین ہی کے خیال سے اسمبلی یا پارلیمنٹ میں جا رہا ہو لیکن خوش گمان سے خوش گمان آدمی کے دل میں بھی یہ خیال پیدا ہو سکتا ہے کہ یہ دین کے نام سے محض ووٹ حاصل کرنے کے لیے ایک فریب کاری ہو رہی ہے۔ بالخصوص اس زمانہ میں تو جب کہ ووٹ کا ہر طالب اپنے آپ کو مذہب کے نمائندے ہی کی حیثیت سے لوگوں کے سامنے پیش کرتا ہے اس بات کا کوئی امکان ہی باقی نہیں رہ گیا ہے کہ ایسے اقامت دین کرنے والوں کے ساتھ کسی کو حسن ظن قائم ہو سکے۔ یہاں تک کہ جو لوگ ان کے لیے اپنے ووٹ استعمال بھی کریں گے وہ بھی اس کو دنیا ہی کا ایک کام سمجھ کر کریں گے، ان کا یہ خیال نہیں ہوگا کہ فی الواقع یہ اللہ کا کوئی کام ہے۔

اس کے اندر دوسری بہت بڑی خرابی یہ ہے کہ شروع ہی سے اس کے ساتھ طمع اقتدار کی ایسی آلودگی ہوتی ہے کہ اس کی طرف زیادہ تر وہی لوگ کھنچتے ہیں جن کے اندر عہدوں اور مناصب کی خواہش دبی ہوئی ہوتی ہے۔ انبیاء علیہم السلام کی دعوت تو صرف ان لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرتی ہے جن کے اندر آخرت اور خدا کا خوف جاگ اٹھتا ہے اس لیے کہ ان کی دعوت کے اندر دور دور طمع دنیا کا کوئی نشان نہیں ہوتا برعکس اس کے جو اصلاح معاشرہ الکشن کی راہ سے ہوتی ہے اس کے کرتا دھرتا زیادہ تر وہی لوگ بنتے ہیں جو جنت دنیا اور جنت آخرت دونوں کے خواب بیک وقت دیکھتے ہیں اور جو بیک کرشمہ دو کار کے فلسفہ کے قائل ہوتے ہیں۔ ممکن ہے بعض لوگوں کو ہمارے یہ الفاظ کچھ سخت معلوم ہوں لیکن حقیقت کو واضح کرنے کے لیے یہ لکھنے پڑ رہے ہیں کہ جو اسلامی معاشرہ انتخابی سرگرمیوں کے ذریعہ سے بنانے کی کوشش کی جائے گی وہ صحیح اسلامی نقطہ نظر سے منافقین کے لیے تو ایک زرخیز پرورش گاہ کا کام دے گا لیکن مخلصین کے لیے اس کی آغوش نہایت بے مہر ثابت ہوگی۔ اس طرح کے معاشرہ میں اولیت کا مقام انہی حوصلہ مند نوجوانوں کو حاصل ہوگا جن کی زبانوں پر تو اقامت دین کا نعرہ ہوگا لیکن ان کے ذہنوں میں صرف وزارتوں اور صدارتوں کی کرسیاں ہوں گی بلکہ ہمیں تو یہ اندیشہ ہے کہ وہ منبروں پر سے بڑے دھڑلے سے یہ وعظ کہیں گے کہ قرآن کریم میں یہ جو دعا ہے کہ واجعل لی من لدنک سلطانا نصیرا اس کا مطلب یہی ہے کہ اے خدا ہمیں صدارت و وزارت بخش اور اس سے بڑا اندیشہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص ان کو یہ بتائے گا کہ یہ دعا انتخابات کے سلسلہ کی نہیں بلکہ ہجرت کے موقع کی ہے تو وہ ایسے شخص پر دعوت رہبانیت کی پھبتی چست کر دیں گے۔

تو اس وقت ان مضرتوں کے پیدا ہونے کا امکان نہیں ہے جن کا پیدا ہونا آج ایک امر قطعی ہے۔ ایک بگڑے ہوئے ماحول کے اندر اگر اچھے لوگ بھی ایک برے طریقے کو آزمانا چاہیں تو ماحول اور طریقہ کی برائیاں دونوں مل کر اچھے سے اچھے لوگوں کو بھی مجبور کر دیتی ہیں کہ وہ قدم قدم پر برائیوں کے آگے سر تسلیم خم کریں۔ برعکس اس کے اگر ماحول تبدیل ہو جائے اور اس کے اندر اچھے لوگوں کو کسی غلط طریقہ کار کو آزمانے پر مجبوری ہونا پڑے تو ماحول کی تبدیلی غلط طریقہ کار کے بہت سے مفاسد سے آدمی کو بچا لیتی ہے۔

معاشرہ کی اصلاح کے سلسلہ میں اس وقت جو کام کیے جانے ضروری ہیں ان پر ان صفحات میں ہم بار بار توجہ دلا چکے ہیں۔ اس وقت اگر ایک طرف اس بات کی ضرورت ہے کہ ملک کے عوام کے روز افزوں اخلاقی اور مذہبی انحطاط کو روکا جائے تو دوسری طرف اس بات کی بھی ضرورت ہے کہ ملک کے ذہین طبقہ کی فکری اصلاح کی جائے۔ وہ فکر و فلسفہ جس پر وقت کا سیاسی، سماجی اور اخلاقی نظام قائم ہوتا ہے وقت کے ذہین طبقہ اور ارباب قیادت کے پاس ہوتا ہے اس وجہ سے قدرتی طور پر یہ فکری کشمکش انہی کے ساتھ ہوتی ہے لیکن یہ فکری کشمکش ہوتی ہے اقتدار کی کشمکش نہیں ہوتی۔ اگر اس فکری اصلاح کی جدوجہد سے ذہین طبقہ متاثر ہو جاتا ہے تو سیاسی اور تمدنی اصلاح کی راہیں خود بخود کھلنی شروع ہو جاتی ہیں۔ اصلاح کا یہ راستہ خیر و برکت کا راستہ ہے اور اسی کو حضرات انبیاء علیہم السلام نے اختیار فرمایا ہے اور اسی کی طرف ہم دعوت دے رہے ہیں۔

عائلی کمیشن کی رپورٹ پر تبصرہ

اسلام کے ازدواجی مسائل پر مولانا امین احسن اصلاحی کی معرکۃ الآرا تصنیف ۲۲×۱۸/۸ - ۱۶۸ صفحات - قیمت ۲ روپے ۲۵ پیسے۔

ملنے کا پتہ: مکتبہ میثاق رحمان پورہ - اچھرہ لاہور۔

مطالعۂ حدیث

مولانا عبد الغفار حسن صاحب

سنّت کا تحریری سرمایہ

دسمبر کے "میثاق" میں حدیث لا تکتبوا عنی غیر القرآن کی وضاحت کی گئی تھی۔ ذیل کے مقالہ میں حدیث کے جمع و ترتیب کا ایک مختصر سا خاکہ پیش کیا جا رہا ہے جس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ احادیث نبوی کے گرانقدر ذخائر تیرہ سو سال کے عرصہ میں کن کن مراحل کو طے کرتے ہوئے ہم تک پہنچے ہیں اور وہ کون کون سے پاکباز نفوس تھے جنھوں نے حکمت و ہدایت کے ان بیش بہا خزانوں کو آئندہ نسلوں تک محفوظ شکل میں منتقل کرنے کے لیے اپنی زندگیاں وقف کر دیں اور اگر موقع آیا تو اس راہ میں جان کی بازی لگا دینے سے بھی گریز نہ کیا۔ (ن۔ ح)

احادیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہم تک تین قابلِ اعتماد ذرائع سے پہنچی ہیں۔

(۱) تعاملِ امت (۲) تحریری یادداشتیں اور صحیفے۔ (۳) حافظہ کی مدد سے روایت یعنی سلسلۂ درس و تدریس۔

اس لحاظ سے جمع و ترتیب اور تصنیف و تالیف کے پورے زمانے کو چار ادوار میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

(۱) عہدِ نبوی سے پہلی صدی ہجری کے خاتمہ تک۔

اس دور کے جامعینِ حدیث اور قلم بند کی ہوئی یادداشتوں اور مجموعوں کی تفصیل یہ ہے:-

مشہور حافظین حدیث:- (۱) حضرت ابوہریرہ (عبدالرحمٰن) وفات ۵۹ھ ہجری بعمر ۷۸ سال تعداد روایات ۵۳۷۴، ان کے شاگردوں کی تعداد ۸۰۰ تک پہنچتی ہے۔

(۲) حضرت عبداللہ بن عباسؓ، وفات ۶۸ھ بعمر ۷۱ سال تعداد روایات (۲۶۶۰)

(۳) حضرت عائشہ صدیقہؓ وفات ۵۸ھ بعمر ۶۷ سال تعداد روایات (۲۲۱۰)

(۴) حضرت عبداللہ بن عمرؓ وفات ۷۳ھ بعمر ۸۴ سال تعداد روایات (۱۶۳۰)

(۵) حضرت جابر بن عبداللہؓ وفات ۷۸ھ بعمر ۹۴ سال تعداد روایات (۱۵۶۰)

(۶) حضرت انس بن مالکؓ وفات ۹۳ھ بعمر ۱۰۳ سال تعداد روایات (۱۲۸۶)

(۷) حضرت ابوسعید خدریؓ وفات ۷۴ھ بعمر ۸۴ سال تعداد روایات — (۱۱۷۰)

یہ وہ جلیل القدر صحابہؓ ہیں جن کو ہزار سے زیادہ احادیث حفظ تھیں۔ ان کے علاوہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص وفات ۶۳ھ۔ حضرت علیؓ وفات ۴۰ھ۔ حضرت عمرؓ وفات ۲۳ھ کا شمار ان صحابہ میں ہوتا ہے جن کی روایات کی تعداد پانسو اور ہزار کے درمیان ہے۔

اسی طرح حضرت ابوبکرؓ وفات ۱۳ھ۔ حضرت عثمانؓ وفات ۳۶ھ۔ حضرت ام سلمہؓ وفات ۵۹ھ۔ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ وفات ۵۲ھ حضرت ابوذر غفاریؓ وفات ۳۲ھ۔ حضرت ابوایوب انصاریؓ وفات ۵۱ھ۔ حضرت ابیّ بن کعبؓ وفات ۱۹ھ اور حضرت معاذ بن جبلؓ وفات ۱۸ھ سے سو سے زیادہ اور پانسو سے کم روایات منقول ہیں۔

ان کے ماسوا اس دور کے اُن کبار تابعین کو بھی نہیں بھلایا جاسکتا جن کی سرفروشانہ اور پُرخلوص کوششوں کی بدولت سنّت کے خزانوں سے امتِ محمدیہ قیامت تک مالامال ہوتی رہے گی۔

چند بزرگوں کا تعارف درج ذیل ہے:۔

(۱) سعید بن مسیبؒ، عہد فاروقی کے دوسرے سال مدینہ میں ان کی ولادت ہوئی اور ۱۰۵ھ میں وفات پائی۔

حضرت عثمانؓ۔ حضرت عائشہؓ، حضرت ابوہریرہؓ، حضرت زید بن ثابت سے انھوں نے علم حدیث حاصل کیا۔

(۲) عروہ بن زبیرؓ آپ کا شمار مدینہ کے ممتاز اہل علم میں ہوتا ہے۔ حضرت عائشہؓ کے خواہرزادے ہیں۔ زیادہ تر انھوں نے اپنی خالہ محترمہ سے احادیث روایت کی ہیں۔ نیز حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت زید بن ثابتؓ سے بھی شرف تلمذ حاصل ہے۔

صالح بن کیسانؒ اور امام زہری جیسے اہل علم ان کے تلامذہ میں شامل ہیں۔ آپ کی وفات ۹۴ھ میں ہوئی۔

(۳) سالم بن عبداللہ بن عمرؓ مدینہ کے سات فقہاء میں آپ کا شمار ہوتا ہے۔ آپ نے اپنے والد محترم اور دوسرے صحابہ سے علم حدیث حاصل کیا۔ نافع، زہری اور دوسرے مشہور تابعین آپ کے شاگرد ہیں۔ ۱۰۶ھ میں رحلت فرمائی۔

(۴) نافع مولیٰ عبداللہ بن عمرؓ۔ یہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے خاص شاگرد اور امام مالکؒ کے استاد ہیں۔ محدثین کے نزدیک یہ سند (مالک عن نافع عن عبداللہ بن عمرؓ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) سلسلۃ الذہب (طلائی زنجیر) شمار ہوتی ہے۔ ۱۱۷ھ میں وفات پائی۔

دوراوّل کا تحریری سرمایہ: (۱) صحیفہ صادقہ۔ یہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص (وفات ۶۳ھ بعمر ۷۷ سال) کا مرتب کیا ہوا ہے۔

آپ کو تصنیف و تالیف کا خاص ذوق تھا۔ یہ جو کچھ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کرتے اُسے قلم بند کر لیا کرتے تھے، اس بارے میں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اجازت دی ہوئی تھی[۱]۔ یہ مجموعہ تقریباً ایک ہزار احادیث پر مشتمل تھا۔ عرصہ تک ان کے خاندان میں محفوظ رہا۔ اب یہ مسند امام احمدؒ میں بہ تمام و کمال مل سکتا ہے۔

(۲) صحیفہ صحیحہ۔ مرتبہ ہمام بن منبہؒ، وفات ۱۰۱ھ۔ یہ حضرت ابوہریرہؓ کے مشہور تلامذہ میں سے ہیں۔ انھوں نے اپنے استاد محترم کی روایات کو یک جا قلم بند کر لیا تھا۔ اس کے قلمی نسخے برلن اور دمشق کے کتب خانوں میں موجود ہیں۔ نیز امام احمد بن حنبلؒ نے اپنی مشہور مسند میں ابوہریرہؓ کے زیر عنوان یہ پورا صحیفہ بجنسہٖ سمو دیا ہے[۲] (ملاحظہ ہو مسند احمد ج ۲ ص ۳۱۲ تا ۳۱۸) یہ مجموعہ کچھ عرصہ قبل ڈاکٹر حمید اللہ صاحب کی کوششوں سے طبع ہو کر حیدر آباد دکن سے شائع ہو چکا ہے۔ اس میں ۱۳۸ روایات ہیں۔ واضح رہے کہ صحیفہ صحیحہ کے قلمی نسخے اور امام احمد بن حنبل کی روایت کردہ احادیث دونوں کے الفاظ اگرچہ یکساں ہیں لیکن سلسلۂ اسناد مختلف ہے۔ راویوں کے اختلاف کے باوجود متن حدیث میں اختلاف نہ ہونا اس امر کی واضح شہادت ہے کہ محدثین نے کتنی محنت و جانفشانی سے علم حدیث کی حفاظت کی ہے۔

---

[۱] مختصر جامع بیان العلم ص ۳۶، ۳۷

[۲] تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو، دیباچہ صحیفہ ہمام مرتبہ ڈاکٹر حمید اللہ صاحب۔

(۳) حضرت ابوہریرہ رضؓ کے دوسرے شاگرد بشیر بن نہیک نے بھی ایک مجموعہ مرتب کیا تھا جس کی انھوں نے رخصت ہوتے وقت حضرت ابوہریرہ رضؓ کو سُنا کر تصدیق کرالی تھی۔[1]

(۴) مسند ابوہریرہ رضؓ۔ اس کے نسخے عہد صحابہ ہی میں لکھے گئے تھے۔ اس کی ایک نقل حضرت عمر بن عبدالعزیز کے والد عبدالعزیز بن مروان گورنر مصر وفات سنہ ۸۶ھ کے پاس بھی تھی۔

انھوں نے کثیر بن مرہ کو لکھا تھا کہ تمہارے پاس صحابہ کرامؓ کی جو حدیثیں ہوں ان کو لکھ کر بھیج دو۔ لیکن حضرت ابوہریرہ رضؓ کی روایات بھیجنے کی ضرورت نہیں، کیونکہ وہ ہمارے پاس موجود ہیں[2]۔

مسند ابوہریرہ رضؓ کا ایک نسخہ امام ابن تیمیہ رحؒ کے ہاتھ کا لکھا ہوا جرمنی کے کتب خانے میں موجود ہے[3]۔

(۵) صحیفہ حضرت علی رضؓ۔ امام بخاری رحؒ کی تصریح سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مجموعہ کافی ضخیم تھا[4]۔ اس میں زکوٰۃ، حرمتِ مدینہ، خطبہ حجۃ الوداع اور اسلامی دستور کے نکات درج تھے۔

(۶) آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تحریری خطبہ۔ فتح مکہ کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوشاہ یمنی کی درخواست پر اپنا مفصل خطبہ قلم بند کرنے کا حکم دیا تھا[5]۔ یہ خطبہ حقوقِ انسانی کی اہم تفصیلات پر مشتمل ہے۔

(۷) صحیفہ حضرت جابر رضؓ۔ حضرت جابر بن عبداللہ کی روایات کو اُن کے تلامذہ وھب بن منبہ وفات سنہ ۱۱۰ھ اور سلیمان[6] بن قیس لشکری نے تحریری طور پر مرتب کرلیا تھا۔ یہ مجموعہ مناسک حج، خطبہ حجۃ الوداع پر مشتمل تھا۔

(۸) روایات حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ۔ حضرت عائشہ رضؓ کی احادیث ان کے شاگرد عروہ بن زبیر نے قلم بند کرلی تھیں[7]۔

---

[1] جامع العلم۔ ج ۱ ص ۷۲۔ تہذیب التہذیب ج ۱۔ ص ۴۷۰

[2] دیباچہ صحیفہ ہمام ص ۵۰ بحوالہ طبقات ابن سعد ج ۷۔ ص ۱۵۷

[3] مقدمہ تحفۃ الاحوذی شرح ترمذی۔ ص ۱۶۵۔ [4] صحیح بخاری۔ کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ ج ۱ ص ۱۵

[5] صحیح بخاری، مطبوعہ احمدی ج ۱ ص ۲۰ مختصر جامع العلم ص ۳۶ صحیح مسلم۔ ج ۱ ص ۴۳۹

[6] تہذیب التہذیب ج ۴۔ ص ۲۱۵۔

[7] تہذیب التہذیب ج ۷۔ ص ۱۸۳ ص ۱۸۳

اجتماعیات وسیاسیات

مولانا سید جلال الدین صاحب عمری

اسلام کا شورائی نظام

(۶)

بعض روایات سے اس بات کا بھی ثبوت ملتا ہے کہ سعد بن عبادہؓ حضرت ابوبکرؓ کے دلائل سے مطمئن ہو چکے تھے انھوں نے مہاجرین کے استحقاق خلافت کو تسلیم بھی کر لیا تھا، چنانچہ حضرت ابوبکرؓ کے دلائل کو مانتے ہوئے فرماتے ہیں۔

صَدَقْتَ نَحْنُ الْوُزَرَاءُ وَاَنْتُمُ الْاُمَرَاءُ[1]　　آپ نے سچ کہا ہم وزراء ہیں اور آپ لوگ امراء

امام ابن تیمیہؒ حضرت ابوبکرؓ کی بیعت کے متعلق فرماتے ہیں:-

وَلَا قَالَ اَحَدٌ مِّنَ الصَّحَابَةِ اَنَّ غَيْرَ اَبِيْ بَكْرٍ مِّنَ الْمُهَاجِرِيْنَ اَحَقُّ بِالْخِلَافَةِ مِنْهُ وَلَمْ يُنَازِعْ اَحَدٌ فِيْ خِلَافَتِهٖ اِلَّا بَعْضُ الْاَنْصَارِ طَمَعًا اَنْ يَّكُوْنَ مِنَ الْاَنْصَارِ اَمِيْرٌ وَّمِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ اَمِيْرٌ.... ثُمَّ الْاَنْصَارُ جَمِيْعُهُمْ بَايَعُوْا اَبَا بَكْرٍ اِلَّا سَعْدَ بْنَ عُبَادَةَ لِكَوْنِهٖ هُوَ الَّذِيْ كَانَ يَطْلُبُ الْوِلَايَةَ وَلَمْ يَقُلْ قَطُّ اَحَدٌ مِّنَ الصَّحَابَةِ اَنَّ فِيْ قُرَيْشٍ مَنْ هُوَ اَحَقُّ بِهَا مِنْ اَبِيْ بَكْرٍ

صحابہ میں سے کسی نے یہ بھی نہیں کہا کہ مہاجرین میں حضرت ابوبکرؓ کے علاوہ اور کوئی مستحق خلافت ہے اور آپ کے خلیفہ بنائے جانے میں بعض انصار نے اس وجہ سے مخالفت کی کہ ان میں سے ایک امیر اور مہاجرین میں سے ایک امیر ہو.... پھر سوائے سعد بن عبادہؓ کے تمام انصار نے آپ سے بیعت کی، چونکہ سعد خود بیعت کے طالب تھے اس وجہ سے وہ بیعت پر رضامند نہیں ہوئے، کسی صحابی نے یہ نہیں کہا کہ قریش میں کوئی حضرت ابوبکرؓ سے زیادہ خلافت کا مستحق ہے۔ نہ بنی ہاشم نے یہ دعویٰ کیا اور نہ غیر بنی ہاشم نے۔ یہ ایسی باتیں ہیں جنھیں آ[illegible]

---

[1] تاریخ طبری ج ۳ صفحہ ۱۹۹۔ مسند احمد حدیث نمبر ۱۸۔ یہ روایت مرسل ہے کیونکہ اس کے آخری راوی حمید بن عبدالرحمٰن ہیں جو کہ بالاتفاق تابعی ہیں۔

لَا مِنْ بَنِیْ ھَاشِمٍ وَلَا مِنْ غَیْرِ بَنِیْ ھَاشِمٍ وَھٰذَا کُلُّہٗ مِمَّا یَعْلَمُہُ الْعُلَمَاءُ الْعَامِلُوْنَ بِالْاٰثَارِ وَالسُّنَنِ وَالْحَدِیْثِ[1] کے تمام باعمل واقف کار بخوبی جانتے ہیں۔

☆

حضرت عمرؓ کی بیعت | حضرت عمرؓ کی بیعت کے سلسلہ میں عموماً یہ خیال کیا جاتا ہے کہ یہ غیر جمہوری طریقہ سے انجام پائی تھی گویا خلیفہ وقت نے اپنی دانست میں کسی کو بہتر سمجھا اور اسے عوام کا خلیفہ مقرر کر دیا حالانکہ یہ واقعہ کی بالکل غلط اور تاریخی حقائق سے ہٹی ہوئی تعبیر ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ حضرت ابوبکرؓ امت کے امیر اور حاکم تھے ان کا یہ فرض منصبی تھا کہ امت کی صلاح و فلاح پر غور کرتے انھوں نے امت کے حق میں یہ بہتر سمجھا کہ اپنی زندگی ہی میں کسی افضل اور صالح ترین شخص کو اپنا جانشین مقرر کر دیا جائے تاکہ امت ان کے انتخاب کے اختلافات سے دوچار نہ ہو لیکن یہ کام حضرت ابوبکرؓ محض اپنی مرضی سے انجام نہیں دے سکتے تھے۔ اس کے لیے امت کے نمائندوں کا اتفاق ناگزیر تھا، چنانچہ آپ نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ سے امت کے ایک اہل ترین شخص حضرت عمرؓ کے بارے میں رائے لی۔ عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے کہا کہ وہ آپ کی رائے سے بھی بہت بلند ہیں لیکن ان میں کسی قدر سختی ہے، حضرت ابوبکرؓ نے جواب دیا کہ صورت حال یہ نہیں ہے چونکہ وہ مجھ میں نرمی دیکھتے ہیں اس لیے وہ سختی کرتے ہیں تاکہ عمل جراحی اور مرہم پٹی کا حسین امتزاج قائم رہے اور امت صلاح کی طرف گامزن ہو، اس کی بین دلیل یہ ہے کہ بسا اوقات جب انھوں نے میرے رویہ میں سختی دیکھی تو خود موم بن گئے اور نرم پالیسی کا مشورہ دیا۔

اس کے بعد آپ نے حضرت عثمانؓ سے بھی مشورہ کیا، حضرت عثمانؓ نے حضرت ابوبکرؓ کے انتخاب کی پوری پوری تائید کی[2] حضرت ابوبکرؓ نے ان دونوں بزرگوں کے علاوہ سعید بن زیدؓ، سید بن حضیرؓ اور دیگر مہاجرین و انصار سے بھی مشورہ کیا[3]

بعض لوگوں نے حضرت ابوبکرؓ کے انتخاب کو ناپسند کرتے ہوئے کہا کہ عمر جیسے سخت گیر انسان کو اپنا جانشین مقرر کر کے اللہ کو آپ کیا جواب دیں گے؟ حضرت ابوبکرؓ نے ان کی غلط رائے کی ایک لطیف پیرایہ بیان میں تردید کی، فرمایا میں اللہ کو یہ جواب دوں گا کہ میں نے امت کے افضل شخص کو خلیفہ منتخب کیا تھا۔

---

[1] منہاج السنۃ ج ۱ صفحہ ۱۳۹ [2] تاریخ کامل ج ۲ صفحہ ۱۷۸ [3] طبقات ابن سعد القسم الاول ج ۳ صفحہ ۱۴۹

علامہ ابن قیمؒ کی باریک بین نگاہ اس معاملہ میں ایک اور باریکی تلاش کرلیتی ہے، فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کی جانشینی میں حضرت ابوبکرؓ کا صحیح قیاس کارفرما رہا ہے، وہ یہ کہ حضرت ابوبکر نے سوچا کہ ان کا اپنا انتخاب امت کے ارباب حل وعقد میں شامل ہونے کی وجہ سے ہوا تھا اور عمرؓ بھی اسی طبقہ میں شامل ہیں لہٰذا اگر انھیں جانشین مقرر کیا جائے تو امت کو اس پر کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا۔[1]

لیکن ان تمام پہلوؤں کے ہوتے ہوئے بھی حضرت ابوبکرؓ نے اپنی رائے کو عوام پر قوت واقتدار کے ذریعہ مسلط نہیں کیا بلکہ عوام کی تائید ہی کے بعد اسے آخری اور قطعی شکل دی، آپ نے مرض الموت میں صحابہ کے ایک مجمع سے خطاب کرکے فرمایا:—

أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ حَضَرَنِي مِنْ قَضَاءِ اللّٰهِ مَا تَرَوْنَ وَاِنَّهُ لَا بُدَّ لَكُمْ مِنْ رَجُلٍ يَلِي أُمُورَكُمْ وَيُصَلِّي بِكُمْ وَيُقَاتِلُ عَدُوَّكُمْ فَيَأْمُرُكُمْ فَاِنْ شِئْتُمْ اجْتَمَعْتُمْ فَائْتَمَرْتُمْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ عَلَيْكُمْ مَنْ اَرَدْتُمْ وَاِنْ شِئْتُمْ اجْتَهَدْتُ لَكُمْ رَأْيِي وَوَاللّٰهِ الَّذِي لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ لَآلُوكُمْ فِي نَفْسِي خَيْرًا

لوگو، جیسا کہ تم دیکھ رہے ہو مجھ تک اللہ کا فیصلہ آپہنچا ہے۔ میرے بعد تم لوگوں کے لیے ایک ایسے شخص کی ضرورت ہے، جو تمہارے کاموں کا سرپرست اور نگراں ہو اور نماز میں تمہاری امامت کرے اور تمہارے دشمن کا مقابلہ کرے اور تم پر حکومت کرے اگر تم چاہو تو آپس میں مشورہ سے جسے چاہو خلیفہ منتخب کر سکتے ہو اور اگر تمہاری خواہش ہو تو میں کسی کو خلیفہ مقرر کرنے کی کوشش کروں، بخدا میں اس سعی وجہد میں کسی قسم کی کوتاہی نہیں کروں گا۔

اس کے بعد خوف قیامت سے حضرت ابوبکرؓ کی آنکھیں اشکبار ہوگئیں اور آپ کے ساتھ سارا مجمع رو پڑا اور سب نے بیک آواز کہا:—

أَنْتَ خَيْرُنَا وَاَعْلَمُنَا فَاخْتَرْ لَنَا قَالَ سَاَجْتَهِدُ رَأْيِي وَاَخْتَارُ لَكُمْ خَيْرَكُمْ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ[2]

آپ ہم میں سے بہتر اور ہم سے زیادہ واقف کار ہیں لہٰذا آپ اپنی صوابدید کے مطابق خلیفہ منتخب کیجیے یہ سن کر حضرت ابوبکرؓ نے کہا اچھا تو میں اس سلسلہ میں غور کروں گا اور تم میں سے بہتر شخص کو تمہارا خلیفہ مقرر کروں گا۔

ان تصریحات کی موجودگی میں اور نمائندگان امت کو مطمئن کر چکنے کے بعد کیا کوئی شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ یہ

---

[1] اعلام الموقعین ج ا ص ۱۸۷ ۔ [2] الامامۃ والسیاسۃ ج ا ص ۱۹

انتخاب عوام کی مرضی سے روبعمل نہیں آیا؟ اگر عوام کی مرضی مطلوب نہ ہوتی تو ابوبکرؓ کبھی یہ نہ کہتے کہ "اگر چاہو تو تم خود اپنا حاکم مقرر کرلو"

حضرت عمرؓ کے تقرر پر صرف ایک اعتراض ہوسکتا تھا اور وہ تھا ان کی سختی، لیکن حضرت ابوبکرؓ نے اپنے بیان سے اس کی تردید کردی اور خود حضرت عمرؓ کی بھی اپنے بارے میں بالکل یہی رائے تھی ایک موقع پر فرماتے ہیں "کہ دور رسالت میں مجھ میں جو شدت تم لوگ محسوس کرتے تھے اس کی وجہ آں حضرت کی لینت تھی" [۱]

چنانچہ یہی وجہ ہے کہ آپ کے تقرر کی کسی نے بھی مخالفت نہیں کی ایک وقت عبداللہ بن عباس نے حضرت عمرؓ سے فرمایا کہ "آپ کی خلافت کے بارے میں دو آدمیوں نے بھی اختلاف نہیں کیا" [۲]

حضرت عثمانؓ کی بیعت | خلیفۂ سوم حضرت عثمانؓ کا انتخاب شورائیت کا مظہر اتم تھا، جیسے کہ ثابت کیا جاچکا ہے کہ اس دور میں بار خلافت صرف مہاجرین قریش ہی برداشت کرسکتے تھے کسی دوسرے شخص پر امت کا اجماع دشوار تھا۔ حضرت عمرؓ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ جب تک اہل بدر میں کا ایک فرد بھی باقی ہے تو خلافت ان ہی میں رہے گی پھر اصحاب احد اس کے مستحق ہوں گے جب تک ان میں کا ایک شخص بھی زندہ ہے کسی دوسرے کو یہ حق نہیں مل سکتا اس کے بعد حسب مراتب لوگ اس ذمہ داری کے اہل قرار پائیں گے۔ فتح کے بعد ایمان لانے والوں کا اس میں کوئی حق نہیں ہوگا [۳]، یعنی قوم خلافت کے سلسلہ میں لوگوں کی قربانیوں اور اسلام سے اُن کے دیرینہ تعلق کو دیکھے گی، بلا استحقاق پیدا کیے کوئی شخص اس عظیم منصب کا اہل نہیں قرار پاسکتا۔

حضرت عمرؓ سے ان کے آخری لمحاتِ حیات میں صحابہ کرام نے مطالبہ کیا کہ آپ اپنا جانشین مقرر کرجایئے [۴] اور خود حضرت عمرؓ کی نگاہ میں حضرت علیؓ کی شخصیت اپنی گوناگوں صلاحیتوں کی وجہ سے اس عظیم ذمہ داری کی مستحق تھی اور ان کا تقرر امت کے حق میں آپ بہتر سمجھتے تھے [۵]... کیونکہ حضرت علیؓ سابقین میں سے تھے، اصحاب بدر میں تھے اور ساتھ ہی ساتھ آسمان علم و فضل کے نیّر درخشاں اور خدا ترسی میں ضرب المثل تھے۔ آپ کے فرزند عبداللہؓ نے بھی حضرت علیؓ کی جانشینی کا مشورہ دیا تھا [۶] لیکن اس مطالبہ اور اہل تر شخص کے ہوتے ہوئے بھی آپ نے کسی کو خلیفہ بنانے سے انکار کردیا اور عبداللہ بن عباسؓ سے ایک مرتبہ فرمایا میری طرف سے تین باتیں محفوظ کرلو جن میں سے ایک یہ ہے کہ میں نے اپنے بعد کسی کو خلیفہ نہیں بنایا ہے [۷]۔ اس کے بجائے آپ نے

---

[۱] مستدرک حاکم ج ۱ ص ۱۲۶، [۲] کتاب الخراج ص ۸۰، [۳] طبقات ابن سعد القسم الاول ج ۳ ص ۲۴۸ [۴] صحیح بخاری کتاب الاحکام باب الاستخلاف، [۵] تاریخ طبری، تاریخ کامل ج ۳ ص ۲۸، [۶] استیعاب لابن عبدالبر تذکرہ عمرؓ۔ [۷] طبقات ابن سعد ج ۳ ص ۲۵۶

یہ کام علی، عثمان، طلحہ، زبیر، سعد بن ابی وقاص اور عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہم پر مشتمل ایک کمیٹی کے حوالے کر دیا کہ وہ غور و فکر کے بعد اپنے میں سے کسی کو خلیفہ منتخب کر لیں[۱]۔ یہ امت کے چیدہ افراد تھے، جن کا حسن سیرت اور شرف و کمال مسلم تھا اور جن کے تقوی اور خدا ترسی کا یہ عالم تھا کہ زبان رسالت ان کے جنتی ہونے کی اسی دنیا میں بشارت دے چکی تھی[۲]۔ اور ان افراد پر امت کے اعتماد کا یہ عالم تھا کہ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں:-

اِنِّیْ قَدْ نَظَرْتُ لَکُمْ فِیْ اَمْرِ النَّاسِ فَلَمْ اَجِدْ عِنْدَ النَّاسِ شِقَاقًا اِلَّا اَنْ یَّکُوْنَ فِیْکُمْ فَاِنْ کَانَ شِقَاقٌ فَهُوَ لَکُمْ[۳]

میں نے تمہارے سلسلہ میں لوگوں کے خیالات کا جائزہ لیا پس میں نے لوگوں کے اندر تمہارے بارے میں کسی قسم کا اختلاف نہیں پایا الا یہ کہ اختلاف خود تمہارے درمیان پھوٹ پڑے۔ لہٰذا اگر اختلاف ہو سکتا ہے تو تمہاری وجہ سے ہوگا۔

حضرت عمرؓ نے اس کمیٹی کو حکم دیا کہ وہ بعض دیگر اکابر امت مثلاً عبداللہ بن عمرؓ، عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت حسنؓ کو بھی شریک مشورہ کر لے لیکن ساتھ ہی یہ بھی تصریح کر دی کہ ان کی حیثیت محض مشیروں کی ہے۔ خلافت کا بار مذکورہ بالا چھ افراد ہی میں سے کوئی سنبھالے گا[۴]۔ کیونکہ خلافت کا ان افراد سے ہٹ جانا امت کے انتشار کا سبب بن سکتا ہے۔

مہاجرین پر مشتمل اس کمیٹی کے تعین کے بعد مشہور صحابی حضرت ابو طلحہ انصاریؓ کو حکم دیا کہ "تم اپنی قوم (انصار) کے پچاس منتخب اشخاص کے ذریعہ اس کمیٹی کو مجبور کر دو کہ وہ تین دن کے اندر اپنے میں سے کسی کو امیر منتخب کر لے[۵]"۔

حضرت عمرؓ کے انتقال کے بعد ان چھ افراد کی کمیٹی کے اجلاس ہوتے رہے اور تین دن تک بحث و تمحیص ہوتی رہی لیکن کوئی بات طے نہیں پائی یہ دیکھ کر عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے کمیٹی کے افراد سے دریافت کیا کہ کیا آپ لوگوں میں سے کوئی دوسرے کے لیے اپنے حق خلافت سے دست بردار ہو سکتا ہے؟ اس سوال کے جواب میں حضرت زبیرؓ نے فرمایا میں حضرت علیؓ کے حق میں اپنا ووٹ دیتا ہوں اور حضرت طلحہؓ حضرت عثمانؓ کے حق میں اور حضرت سعدؓ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کے حق میں اپنے حقوق سے دستبردار ہو گئے[۶]۔

---

۱ مشکوٰۃ کتاب المناقب بحوالہ بخاری ۲ مشکوٰۃ کتاب المناقب بحوالہ ترمذی ابن ماجہ ۳ طبقات ابن سعد ج ۳ ص ۲۴۹، ۴ الامامۃ والسیاسۃ ج ۱ ص ۲۵، ۵ طبقات ابن سعد ج ۳ ص ۶۲، تاریخ کامل ج ۳ ص ۲۸ ۶ الامامۃ والسیاسۃ ج ۱ ص ۲۵

اس کے بعد عبدالرحمٰن بن عوف رضؓ نے کہا کہ میں آپ لوگوں کو یقین دلاتا ہوں کہ مجھے خلافت کی کوئی ضرورت نہیں، کیا آپ لوگ مجھے حکم ماننے کے لیے تیار ہیں؟ حضرت علی رضؓ نے فوراً کہا ہاں میں آپ کو حکم تسلیم کرتا ہوں آپ جو بھی فیصلہ کریں گے میرے لیے قابلِ قبول ہوگا۔[۱] اسی طرح کمیٹی کے دوسرے ارکان نے بھی آپ کو اپنا حکم مان لیا۔[۲]

بحث کے یہاں تک پہنچ جانے کے بعد عبدالرحمٰن بن عوف رضؓ نے حضرت عثمان رضؓ اور حضرت علی رضؓ کے ناموں کو قوم کے روبرو پیش کیا تاکہ ان کی مرضی معلوم کی جاسکے۔ مدینہ یوں بھی مہاجرین و انصار کا مرکز تھا، لیکن حضرت عمر رضؓ کی شہادت کی وجہ سے اور نئے خلیفہ کے انتخاب سے واقف ہونے کے لیے مختلف علاقوں کے گورنر اور بہت سارے شہروں کے سردار اور معزز افراد مدینہ میں جمع ہو گئے تھے، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضؓ نے ان تمام کا عندیہ معلوم کرنے کی سعی کی۔ اہل الرائے حضرات سے صلاح و مشورہ کیا اور عام لوگوں سے محض ان کی رائے دریافت کی جس کے بعد آپ اس نتیجہ پر پہنچے کہ اکثریت حضرت عثمان رضؓ کے حق میں ہے، دوسرے دن آپ نے تمام مہاجرین و انصار کو مسجد میں جمع کیا اور تقریر کی کہ میں نے رائے عامہ دریافت کرنے کی حتی الوسع کوشش کی جس کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ اکثریت حضرت عثمان رضؓ کے حق میں ہے اور ان کو اپنا امیر تسلیم کرنے پر آمادہ ہے۔ لہٰذا میں قلادۂ خلافت حضرت عثمان رضؓ کی گردن میں ڈال رہا ہوں، اس اعلان کے سنتے ہی سب سے پہلے پیش قدمی کر کے حضرت علی رضؓ نے حضرت عثمان رضؓ کے ہاتھ پر بیعت کی، پھر دوسرے لوگ بھی مسلسل بیعت کرنے لگے۔[۳]

علامہ ابن اثیر رحؒ کے الفاظ میں "تمام اہلِ شوریٰ نے حضرت عثمان رضؓ کی بیعت پر اجماع کیا"[۴] اس سے بھی آگے بڑھ کر حضرت امام احمد بن حنبل رحؒ جن کی نظر آثار و سنن پر نہایت وسیع رہی ہے تصریح کرتے ہیں کہ "حضرت عثمان رضؓ کی بیعت پر جس قدر اجماعِ عام ہوا اتنا اجماعِ عام خلفائے راشدین میں سے کسی کی بیعت پر نہیں ہوا۔"[۵]

---

[۱] مستدرک حاکم ج ۳ صفحہ ۳۱، [۲] الامامۃ والسیاسۃ ج ۱ صفحہ ۲۵، [۳] طبقات ابن سعد ج ۳ صفحہ ۴۳، البدایۃ والنہایۃ ج ۷ صفحہ ۱۴۷۔ حافظ ابن کثیر رحؒ نے ان روایات پر سخت تنقید کی ہے جن سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عثمان رضؓ کی خلافت کا اعلان سنتے ہی حضرت علی رضؓ غضبناک ہوگئے اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف سے کہا کہ تم نے محض قرابت داری کا خیال کر کے اور اس امید پر کہ عثمان کے بعد خود خلیفہ بن جاؤ عثمان کو خلیفہ مقرر کیا ہے، چنانچہ یہ کہہ کر آپ مجمع سے واپس ہونے لگے اس پر حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے پکار پکار کر کہا وَمَنْ نَكَثَ فَإِنَّمَا يَنْكُثُ عَلٰى نَفْسِهٖ" (باقی اگلے صفحہ

حضرت علیؓ کی بیعت | حضرت عثمانؓ کے دور آخر میں مملکت اسلامیہ میں اضمحلال اور انتشار رونما ہو گیا تھا اور اچھا خاصا ایک فاسد عنصر ملک میں ہنگامہ سازی اور فتنہ خیزی کے درپے ہو گیا تھا جس کے نتیجہ میں حضرت عثمانؓ کی شہادت کا المناک سانحہ پیش آیا۔ اس حادثۂ عظیم سے ملک کی چولیں ڈھیلی ہو گئیں اور ایک سرے سے دوسرے سرے تک افراتفری اور بدنظمی پھیل گئی، اس طوفان کو فرد کرنا اور حالات کو اپنے اصلی محور پر لانا زہرہ گداز کام تھا، ایسے پرہول اور نازک حالات میں خلیفہ چہارم حضرت علیؓ کا انتخاب عمل میں آیا۔

ہم گذشتہ صفحات میں حضرت علیؓ کی بیعت کی طرف چند اجمالی اشارات کر چکے ہیں جن سے اس امر کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ارباب حل و عقد کی اکثریت نے آپ کو حق خلافت عطا کیا تھا۔ حضرت عمرؓ نے جن چھ افراد کو امت کا نمائندہ قرار دیا تھا ان میں حضرت علیؓ کے علاوہ حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ اس وقت موجود تھے، حضرت علیؓ نے ان سے کہا کہ اگر تم چاہو تو میں تمہارے ہاتھ پر بیعت کر لوں یا تم میرے ہاتھ پر بیعت کر لو، دونوں نے جواب دیا ہم آپ ہی کو خلافت کا مستحق سمجھتے ہیں[۱]

تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت علیؓ کے انکار کے باوجود مہاجرین و انصار نے بے حد اصرار سے آپ کو خلیفہ منتخب کیا[۲] ابن سعد کے بیان کے مطابق۔

جَمِيعُ مَنْ كَانَ بِالْمَدِينَةِ مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللهِ وَغَيْرِهِمْ[۳]

مدینہ کے تمام لوگوں نے حضرت علیؓ کے ہاتھ پر بیعت کی جن میں اصحاب رسول اور دیگر اصحاب شامل تھے۔

مہاجرین میں صرف دو یا چار افراد کے نام ملتے ہیں جنھوں نے حضرت علیؓ کی خلافت کو تسلیم نہیں کیا تھا انصار کے متعلق علامہ ابن اثیر لکھتے ہیں۔

وَبَايَعَتِ الْأَنْصَارُ إِلَّا نَفَرًا يَسِيرًا[۴]

ایک بہت ہی مختصر گروہ کے علاوہ تمام انصار نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔

(بقیہ حاشیہ پچھلے صفحہ کا) اس وعید کو سن کر حضرت علیؓ واپس ہوئے اور بادل ناخواستہ حضرت عثمانؓ کے ہاتھ پر بیعت کی" حافظ موصوف نے لکھا ہے کہ یہ روایات مجہول الحال اشخاص سے مروی ہیں اس لیے قابل قبول نہیں ہیں۔ [۹] تاریخ کامل ج ۳ صفحہ ۳۳ [۱۰] منہاج السنۃ ج ۳ صفحہ ۱۶۲

[۱] تاریخ طبری ج ۵ [۲] تاریخ کامل ج ۳ صفحہ ۸ [۲] طبری ج ۵ صفحہ ۱۵۲ [۳] طبقات ابن سعد ج ۳ صفحہ ۲۰ [۴] تاریخ کامل ج صفحہ ۸

اور ان بیعت نہ کرنے والوں میں بیشتر افراد اسی وجہ سے بیعت کرنے میں پس وپیش کر رہے تھے کہ امت کی مرضی جاننا چاہتے تھے۔ اگر تمام ممالک اسلامیہ میں بیعت ہوجائے تو وہ بیعت کرنے کے لیے آمادہ تھے۔

چاروں خلفاء کے انتخاب کی تفصیل کے بعد ہم اس دور کے اور دو چار واقعات پیش کرنا چاہتے ہیں جن سے اسلام کے نظام شورائیت کے سمجھنے میں بہت کچھ مدد مل سکتی ہے۔

مانعین زکوٰۃ سے قتال حضرت ابوبکرؓ کے دو فیصلوں کے متعلق عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ ان کے بارے میں حضرت ابوبکرؓ نے اہل شوریٰ کے مشوروں کو نظر انداز کر دیا اور اپنی انفرادی رائے کو ارباب حل وعقد کی رائے پر ترجیح دی جن میں سے پہلا واقعہ مانعین زکوٰۃ سے جنگ کا ہے۔ آئیے ہم اس واقعہ کی حقیقت حدیث وتاریخ کی کتابوں میں تلاش کریں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد عرب کے چاروں طرف ارتداد کا فتنہ اٹھ کھڑا ہوا، ان مرتد قبائل میں بعض وہ قبیلے تھے جنھوں نے صاف صاف دین اسلام کا قلادہ ہی اپنی گردن سے اتار کر پھینک دیا تھا، بعض نے زکوٰۃ کی فرضیت سے انکار کیا اور بعض نے اس کی فرضیت سے تو انکار نہیں کیا البتہ ادائیگی زکوٰۃ سے مکر گئے ـــــ ان تینوں ہی طبقات کے خلاف حضرت ابوبکرؓ نے علم جہاد بلند کرنا چاہا، پہلے گروہ کے بارے میں صحابہ کے درمیان کسی قسم کا اختلاف نہیں تھا لیکن دوسرے اور تیسرے گروہ کے خلاف تلوار اٹھانے میں بعض صحابہ کو پس وپیش تھا جن میں حضرت عمرؓ کی ذات گرامی سب سے آگے تھی، حضرت عمرؓ فرماتے تھے کہ ایک شخص کلمۂ توحید کا اقرار کر کے دائرۂ اسلام میں داخل ہوجاتا ہے اور یہ منکرین زکوٰۃ کلمۂ توحید کا تو اقرار کر رہے ہیں اور دعوئے مسلمانی پر قائم ہیں پھر کیسے ان کے خلاف قوت استعمال کی جائے؟ چنانچہ آپ نے حضرت ابوبکرؓ سے کہا۔

كَيْفَ تُقَاتِلُ النَّاسَ وَقَدْ قَالَ رَسُولُ اللهِ أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰى يَقُولُوا لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ فَمَنْ قَالَهَا فَقَدْ عَصَمَ مِنِّي مَالَهُ وَنَفْسَهُ إِلَّا بِحَقِّهِ وَحِسَابُهُمْ عَلَى اللهِ (رواه الجماعة الا ابن ماجة)

آپ ان لوگوں سے کیسے جہاد کر سکتے ہیں؟ حالانکہ رسول اللہؐ نے کہا ہے کہ مجھے لوگوں سے جنگ کا حکم دیا گیا ہے۔ یہاں تک کہ وہ کلمۂ توحید کا اقرار کریں اگر انھوں نے ایسا کیا تو اپنی جان ومال کو محفوظ کر لیا۔ الا یہ کہ اسلام ہی کا حق ان کی جان ومال کا مطالبہ کرے اور ان کا حساب اللہ کے ذمہ ہے۔

حضرت ابوبکرؓ نے جواب دیا کہ مجرد کلمہ توحید کا اقرار کافی نہیں ہے بلکہ اپنی جان ومال کے تحفظ کے لیے اس کے